مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

موجودہ عالم اسلام کے لئے

فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدانِ عمل

مکہ مکرمہ میں ۱۸ر۲۳ر صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱ر۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۷ء رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کا تیسرا اجتماع ہوا جس میں ۱۲۳ ملکوں سے اسلامی تنظیمات جامعات اور مسلم زعماء و مفکرین نے شرکت کی اس کانفرنس کا رہبر مقالہ ہندوستان کے عالم جلیل مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا تھا جسے سنکر حاضرین مؤتمر نے مطالبہ کیا کہ اس کو مؤتمر کی اولین تجویز قرار دی جائے۔ رابطہ عالم اسلامی کے نائب سیکرٹری جنرل علامہ محمد العبودی نے جو اس اجلاس کی صدارت کررہے تھے اس تجویز سے اتفاق کیا اور قرارداد مرتب کرنے والی کمیٹی کے حوالے کرنے اور علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کرنے کا اعلان کیا +

حضرات: ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں ————— میرے لئے یہ بات باعث مسرت ہے کہ میرے مخاطب وہ حضرات ہیں جو امت کی فکری رہنمائی کر رہے ہیں اور اسلامی جمعیتوں اور تنظیموں کے ذمہ دار ہیں اور سب ہی دین کی خدمت سے وابستہ ہیں اور سب سے زیادہ یہ بات میرے جذبات کے لئے مہمیز کا کام کر رہی ہے کہ یہ گفتگو وہاں ہو رہی ہے جو دعوت اسلام کا اولین مرکز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی جگہ اور بلد امین ہے۔ میں اگر آپ کو مخاطب کرکے ایک عرب شاعر کا یہ شعر پڑھوں تو بے جا نہ ہوگا کہ :۔

(حولۃ الجندل کی بلبل! مناسب وقت ہے کہ) تو نغمہ سرا ہو، سعادتگاہوں کے سامنے گوش برآواز ہے)

حضرات! دعوتِ اسلامی کا موضوع کوئی نیا موضوع نہیں ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ کہا جاچکا ہے اور عصرِ حاضر میں تو اس پر کافی ریسرچ کیا گیا ہے تحقیقی مقالات اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس موضوع پر پوری لائبریری تیار ہوچکی ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ اس موضوع پر علمی اور تحقیقی انداز میں کچھ لکھوں۔ چنانچہ میری کتاب رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام (تاریخ دعوت وعزیمت) چار جلدوں میں - ۲- قرآن وسیرت نبوی میں دعوت

دین کا اسلوب اور مبلغین کے اوصاف ۔۳۔ ہندوستان میں اسلامی دعوت اور اس کا ارتقاء ۔۴۔ دعوت کا حکیمانہ اسلوب
اور مبلغین کے اوصاف ۔ ۵۔ دینی دعوت ہی کے ذریعہ سوسائٹی کو جاہلیت سے بچایا جا سکتا ہے۔ اور دین کو تحریف سے
محفوظ رکھا جا سکتا ہے ۔ ۶۔ علماء و مبلغین کے لئے اصلاح کا صحیح طریقہ ۔ ۷۔ علماء کی تربیت اور دین کا داعی تیار کرنے میں اسلامی
یونیورسٹیوں کا کردار اسی موضوع پر ہیں ۔ جو اپنی صوری اور معنوی ہر لحاظ سے ممتاز ہے ۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی گفتگو
صرف ایک موضوع پر محدود رکھوں ۔ اور وہ ہے دعوتِ دین کے فیصلہ کن محاذ اور اس کے مرکزی میدانِ عمل ۔ جن سے نہ
صرف دعوت کا رخ متعین کیا جا سکے گا بلکہ عالم اسلام کی منزل کا تعین ممکن ہو گا ۔ میں اپنے محدود مطالعہ، ماضی کے تجربات
اور حقائق کی روشنی میں صرف اپنی عملی کوششوں کی نشان دہی کروں گا ۔ وباللہ التوفیق ۔

۱۔ مسلم عوام اور ان کے تمام گروہوں میں ایمان کی قوت کو بیدار کرنا اور اس کو جلا دینا ۔ کیونکہ ان گروہوں اور ان
عوام کا اسلام سے وابستہ رہنا اور اس کے لئے ان کے دلوں میں جوش کا قائم رہنا ایک مستحکم اور بلند شہر پناہ کی حیثیت
رکھتا ہے جس پر اس شہر اسلام کی بقا کا مدار ہے ۔ یہی نہیں بلکہ بہتری اسلام کی حکومتوں اور سربراہوں کو یہی چیز اسلام پر
وابستہ رہنے پر مجبور کر سکتی ہے ۔ مسلمانوں کے دینی احساس کا ابھرنا اسلام کی قوت کا سرچشمہ اور اس کا راس المال ہے
اور یہی وہ خام مال ہے جو ہر پاک و مفید مقصد کے لئے استعمال ہو سکتا ہے اور ایسے افراد کا وجود جوشِ عمل اور وسعت
قلب و نظر اور اخلاص کے لحاظ سے پوری انسانی آبادی کا جوہر اور اس کا سب سے مفید اور مضبوط ترین مجموعہ ہو گا ۔

ایمان کی پختگی اور دین کے لئے سرگرمی اور جوشِ عمل اسی وقت کارآمد ہو گی جب اس کے شرائط بھی پورے ہوں اور
ان افراد میں وہ اوصاف بھی پائے جائیں جن کی بنا پر وہ نصرتِ خداوندی کے مستحق ہوں ۔ اور مشکلات پر قابو پانے اور دشمنوں
پر غالب آنے کے سزاوار ہوں وہ بنیادی شرائط یہ ہیں ۔

عقیدہ کی تصحیح، صرف خدائے واحد کی عبادت ۔ اور ہر قسم کے شرک اور غلط عقائد سے مبرا ہونا ۔ جاہلیت کے رسوم
اور غیر اسلامی شعائر، نفاق، عمل اور عقیدہ میں دورخی ۔ قول و عمل کے درمیان تضاد ۔ اور گذشتہ اقوام کی روش سے
اجتناب، جو اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں اللہ کے عذاب اور بے تعلق کی مستحق قرار دی گئی ۔ نیز موجودہ اقوام کی روش سے
پرہیز ۔ جو اللہ کو بھول گئیں ۔ تو اللہ نے خود ان کو فراموش کیا ۔ اور جو دنیا کو تباہی اور ہلاکت کے راستہ پر چلا رہی ہیں

اسی کے ساتھ ساتھ دینی شعور کو صحیح راستے پر لگانا اور اس کے شعور کی پرورش کرنا بھی ضروری ہے جس سے
وہ مسائل و حقائق کو اچھی طرح سمجھ سکیں ۔ دوست و دشمن میں تمیز کر سکیں اور نت نئے انداز تحریکوں کے دھوکہ میں نہ
آئیں ۔ تاکہ ہماری اگلی زندگی میں وہ ایسے دوبارہ نہ پیش آئیں ۔ جو قومی نعرہ بازیوں اور جاہلیت کی تحریکوں کے دھوکہ میں
شکار ہونے کے سبب پیش آئے یا جو انسانی تعصب اور رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے نیز چالاک و ناپاک قیادت
اور بیرونی سازشوں کے سبب نہیں ۔ اور دینی شعور اور فراستِ ایمان کی کمی کی وجہ سے مسلم عوام اپنی سادہ لوحی کا

شکار ہو گئے۔

۲۔ مذہبی حقائق اور دینی تصورات کو تحریف اور عصر حاضر کے مغربی تصورات سے محفوظ رکھنا۔ سیاسیات و اقتصادیات کی اصطلاحوں کو دینی مقاصد کے بیان کرنے کے لئے استعمال کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ اور دین کو خالص سیاسی نظریہ کے طور پر پیش کرنے اور عصر حاضر کے فلسفیانہ اصول سے اسلامی اصول کے مطابق کرنے کی مبالغہ کوشش کے نقصانات سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ دینی حقائق اسلام کے بنیادی اور ہمیشہ قائم رہنے والے اصول ہیں وہ اپنی جگہ پر مستقل بالذات ہیں اور وہ خود اپنے معیار ہیں ان معیاروں کو کسی دوسری کسوٹی پر جانچنے کی ضرورت نہیں ہے اس کو ناپنے کے لئے خود اسی کا گز ہے۔ انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع یہی اصول تھے اور اسی کے لئے انہوں نے سعی و جدوجہد کی اور انہی پیمانوں پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں۔

اسی طرح ان باتوں سے پرہیز بھی ضروری ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کمزور کرے۔ آخرت میں ایمان کی اہمیت کو گھٹانے اور مومن کے دل سے احکام خداوندی پر عمل کرنے کے شوق جذبہ کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے شوق کو، اللہ سے تقرب کی تمنا کو اور اس کی رضا کے لئے اور اس کے ثواب کی امیدیں کاوش کرنے کو بے اہمیت قرار دے کیونکہ یہ باتیں اگر پیدا ہو گئیں تو امت کا شخص اور اس کی انفرادیت مجروح ہوگی۔ اور عنداللہ ایسے لوگوں کا کوئی وزن نہیں ہے گا۔ اسی طرح بت پرستی کے عقیدوں، صریح شرک اور جاہلی عقیدہ و رواج کی برائیاں بھی ذہن نشین ہونا چاہئے اور صرف دستور و نظام پر تنقید اور غیر اسلامی حکومتوں کی زبانی مخالفت کو کافی سمجھنا دین کے قدیم سماوی اسلوب سے روگردانی اور جدید سیاسی اسلوب کی پیروی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی، جذباتی اور قلبی تعلق کی پختگی اور آپ کی ذات گرامی سے گہری محبت جو اپنی ذات اہل وعیال اور آل اولاد سے ہو جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حیثیت سے ایمان کہ آپ خاتم رسل مولائے کل اور ہادی سبل ہیں اور آپ سے تعلق خاطر دین کی بنیاد ہے لہذا ان عوامل سے بچنا ضروری ہے جو اس محبت کے سرچشمہ کو خشک کرنے کا سبب بنیں یا کم ازکم ان کو کمزور کریں۔ جذبات و احساسات میں سرد مہری پیدا کریں۔ اور اس کے نتیجہ میں سنت پر عمل میں کوتاہی پیدا ہو، بے باکی اور دیدہ ذہنی پیدا ہو۔ مزاج و افتاد ایسے رخ پر پڑ جائے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمایہ فخر یاد رکھنے اور آپ کی سیرت پڑھنے اور سمجھنے کا شوق کم ہو۔ اور آپ کی محبت کو ابھارنے اور اس کو غذا دینے کے ذریعہ سے روگردانی مذاق عام بن جائے۔ ہمارے موضوع کے اس پہلو پر آپ کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور خاص طور پر عرب بھائیوں کو اس کی زیادہ فکر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ عرب قومیت کی تحریکوں اور ماضی قریب کے حوادث نے ان کو اس سرچشمہ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کا سرمایہ حیات ہے اور جس کے وہ زیادہ حقدار اور زیادہ ضرورت مند ہیں۔ کیونکہ بعثت محمدیہ سے یہی سرزمین مشرف

ہوئی اور قرآن کریم ان کی زبان میں نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی زبان میں گفتگو فرمائی۔

تعلیم یافتہ طبقہ میں اور اس طبقہ میں اسلام پر اعتماد کی بحالی جن کے ہاتھوں تعلیم و تربیت اور مسائل ابلاغ کی باگ ڈور ہے۔ اسلام پر اعتماد کی بحالی کا مطلب ہے یہ کہ انہیں اس بات کا یقین ہو کہ اسلام کے اندر نہ صرف زمانہ کو ساتھ لے کر چلنے اور تعمیر و ترقی کے میدان میں ہر ایک سے آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے بلکہ وہ پوری انسانی آبادی کی قیادت بھی کر سکتا ہے۔ اور وہی زندگی کی کوشش کشتی کو ماہرانہ صلاحیت سے کھے کر سلامتی و خوشحالی کے کنارے تک پہنچا سکتا ہے۔ انسانی آبادی کو ہلاکت اور خودکشی کی راہ سے نکال سکتا ہے جس میں مغرب کی بوڑھی اور اندھی قیادت نے اس کو ڈال دیا ہے اور وہ سمجھ سکیں کہ وہ ایسی بیٹری نہیں جو ڈسچارج ہو چکی ہے یا وہ دیا نہیں جس کا تیل خشک ہو چکا ہو اور جس کی بتی جل چکی ہو۔ بلکہ وہ ایک عالمی و سرمدی پیغام ہے اور سفینۂ نوح طرح تنہا سفینۂ نجات پا سکتے ہیں۔

دین کی صلاحیت کے متعلق اعتماد کی کمی یا اس کا معدوم ہونا دراصل اس تعلیم یافتہ کا مرض ہے جس نے مغربی ثقافت کے آغوش تربیت میں شعور کی آنکھیں کھولیں۔ یا جس کو مغرب کی بالا دستی نے بھی باور کرایا ہے۔ یہی طبقہ پوری ملت کی تباہی کا ذمہ دار اور ذہنی ارتداد کا سبب ہے۔ ساری دستوری یا تمدنی بدعنوانیاں جو پورے اسلام کو کھو کھلا کر رہی ہیں وہ اس طبقہ کی کم نگاہی یا بے راہ روی کا نتیجہ ہے۔ مگر یہی لوگ مسلم اقوام پر مسلط ہیں۔ ان اقوام پر مسلط ہیں جو صرف ایمان و قرآن کی زبان سمجھتا تھا جس کے اندر جوش عمل تھا اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ تھا۔ غرض اسی نظام تعلیم نے حکمران طبقہ اور جمہور کے درمیان گہری اور وسیع خلیج حائل کر دی ہے جس کی وجہ سے ہر جگہ ایک عمومی بے چینی اور اضطراب کا دور دورہ ہے۔ اور اس بات نے افراد کی ذہنی و عقلی قوتوں کو ایسے کاموں میں لگا دیا ہے جس کا کوئی فائدہ ان اقوام کو حاصل نہیں ہوا۔

ضرورت ہے کہ مغرب سے درآمد کیا ہوا نظام تعلیم جو پورے عالم اسلام میں رائج ہے۔ ایک بار نئے سرے سے اس کا جائزہ لیا جائے اور پوری طرح کھنگالا جائے۔ اور اسے ایسے قالب میں ڈھالا جائے جو مسلم عوام کے قد و قامت پر راس آئے۔ اس کے عقیدہ و پیغام سے ہم آہنگ ہو۔ اور جس سے مسلم قوم کی معنوی خصوصیت نمایاں اور اس کی انفرادیت آشکار ہو، مادہ و الحاد سے پاک ہو۔ تاکہ کائنات کا صرف مادی تصور اس کے سامنے نہ ہو۔ کیونکہ جہاں تک علوم کا تعلق ہے وہ سب ایک دوسرے کا کاٹ کرنے والی اکائیاں ہیں۔ جب کہ نظام فطرت ایک بے قید اور سب کو پامال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تاریخ انسان کے اضطراب و بے چینی اور آپس کی جنگوں کے لا متناہی افسانوں کا پلندہ ہے۔ ان کو بنیاد بنا کر جب بھی عقل انسانی کی پرورش اور اس کے نمود بالیدگی کی کوشش کی جائے گی تو کامیابی کا دائرہ محدود سے محدود تر ہو گا۔

نظام تعلیم میں جزوی اصلاحات اور معمولی کتر بیونت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ خواہ جس قدر بھی وسائل اور غور و فکر کی ضرورت پڑے ——— اچھے سے اچھے ذہن و فکر سے مدد لی جائے۔ بہتر سے بہتر وسائل اختیار کئے جائیں تاکہ ایک پائیدار اور مفید نظام تعلیم و تربیت امت کو مل جائے کیونکہ اس کے بغیر عالم اسلام اپنے بیرونی

پرکھڑا نہیں ہوسکتا۔ اپنی عقل اور اپنے ارادے کے مطابق کام نہیں کرسکتا۔ اس کے بغیر نہ تو حکومتوں کو مسلمان کارندے مل سکتے ہیں نہ ایسے مومن و مخلص منتظمین مل سکتے ہیں نہ ایسے مومن و مخلص افراد مل سکتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق سرکاری دفاتر، عوامی رفاہیت کے ادارے، انتظامیہ اور عدلیہ دانش گاہوں اور وسائل گاہوں اعلام کو پابند کرسکیں۔ تاکہ اسلام کا نظام معاشرت و حکومت پورے جمال و کمال کے ساتھ سامنے آئے اور مسلم سوسائٹی اپنی خصوصیات اور انفرادی امتیازات کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے۔

۶۔ اس مقصد کے لئے ایک بین الاقوامی پیمانے پر مضبوط تحریک ہونی چاہئے کہ دنیا کے پڑھے لکھے سمجھ دار طبقہ میں اسلام کے علمی خزانوں کا تعارف کرایا جائے اور مسلمانوں کے علمی دینی کارناموں سے انہیں آگاہ کیا جائے۔ علوم اسلامیہ میں زندگی کی نئی روح پھونک کر متمدن دنیا پر یہ واضح کردیا جائے کہ اسلام کے عالمی و اجتماعی قوانین دنیا کے بلند ترین اور وسیع ترین اصول پر مبنی ہیں۔ وہ اصول جو نظام فطرت سے ہم آہنگ ہیں اور ان میں کبھی کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ اور اس کی نفع بخشی اور قوت کسی زمانہ میں کم ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے۔ اور وہ انسانی زندگی کی رہنمائی وقت کے ہر دھارے پر اور زندگی کے ہر موڑ پر پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دے سکتی ہے۔ اور لوگوں کے بنائے ہوئے قانون جن کو وضعی قوانین کہا جاتا ہے سے بدرجہا بہتر و مفید اور پائیدار ہے۔

۷۔ انسانی نفوس اور قومی وجدان میں تمدنی نظام کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں۔ خاص طور پر ایسا نظام معاشرت جو دینی بنیادوں اور اس کی تعلیمات کے سایہ میں پروان چڑھا ہو۔ اور جس کی تعمیر میں ایک خاص انداز کے مذہبی ذوق کو دخل ہو۔ اور جس پر اس قوم کی چھاپ ہو ایسے نظام معاشرت (یا تمدن) سے کسی قوم کو الگ کرنا اس کو زندگی کے میدان سے خارج کردینے اور عقیدہ و عبادت اور مذہبی مراسم کے تنگ چوکھٹے میں قید کردینے اور اس کے عامر کارشتہ ماضی سے توڑ دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اسلامی اور مسلم سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ ایک مستقبل بالذات تمدن کی باریک بینی کے ساتھ تشکیل کریں جو مغرب کی کورانہ تقلید، بغیر پلاننگ کے سرسری اقدام اور احساس کی کمتری کے احساس سے پاک ہو اسلامی تمدن کی نمائندگی پورے طور پر اس کے مرکزی قیادت میں، اداروں میں، گھروں میں، اجتماعی جگہوں میں، ہوٹلوں میں، تفریح گاہوں میں اور کسی حد تک اس کے دفتروں اور ہوائی جہازوں میں اور سفارت خانوں میں ہونی چاہئے۔ اس سے صرف یہی نہیں ہوگا کہ اسلامی ممالک اسلامی زندگی کا ایک نمونہ پیش کریں گے۔ بلکہ اسلام کی ایک خاموش تبلیغ بھی ہوگی۔

۸۔ مغربی تمدن بشمول مغربی علوم و نظریات کی ایجادات و امکانات کے ایک خام مال کی حیثیت سے قبول کیا جائے جس سے عالم اسلام کے فکری رہنما اور سربراہ ایک ایسا پائیدار مناسب وقت تمدن تیار کریں جس کی بنیاد اخلاق، پرہیزگاری اور رحم و انصاف پر ہو۔ دوسری طرف اس میں نمو و افزائش کی گنجائش ہو۔ اس میں قوت و ایج ہو جس کا اثر تمام شعبہ حیات پر پڑے۔ پیداوار بڑھے اور عوام میں خوشحالی آسکے۔

خلاصہ یہ کہ مغربی علوم سے وہ چیزیں لی جائیں جس کی مسلم عوام یا مسلم ممالک اور حکومتوں کو ضرورت ہے جس سے عملی فوائد میسر ہوں اور جس پر مغرب ومشرق کی چھاپ نہ ہو۔ اس کے علاوہ چیزیں جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے ان سے استغنا برتا جائے۔ مغرب سے معاملہ ایک ہمراہی اور ہم مقابل جیسا ہو۔ کیونکہ اگر مشرق اس بات کا محتاج ہے کہ مغربی علوم سے بقدر ضرورت اخذ کرے تو مغرب بھی بہت سی چیزیں مسلم ممالک سے لے سکتا ہے ممکن ہے کہ مغرب کو ان ممالک سے سیکھنے اور حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہو۔

۹۔ مسلم ممالک میں چند ایسے ملک بھی ہیں جنہوں نے ماضی میں دعوت اسلامی اور اسلامی تمدن کی قابل ذکر اور شاندار خدمتیں انجام دی ہیں اور عصر حاضر میں جو اس بات پر تلی ہوئی ہیں کہ جس طرح ممکن ہو اسلامی عنصر کو نابید کر دیا جائے۔ جن کے یہاں "پروگریسو اسلام" کو مقبول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے اور اسلام کی تفسیر سیاسی مصالح اور حکمرانوں کے شخصی ذوق و مزاج کے مطابق جا رہی ہے۔ ان حکومتوں کو باور کرایا جائے کہ یہ سیاست ایک ناکارہ اور بانجھ سیاست ہے جو کسی اسلامی ملک میں کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ ان حکومتوں کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ بجائے ناممکن العمل اور غیر فطری کوششوں کے اپنی قوت اور اپنی امکانی صلاحیتوں کو ملک وملت کے مشترکہ دشمن کے خلاف صرف کریں جس سے ملک وملت کو تقویت حاصل ہو۔

جہاں تک ان ممالک کا تعلق ہے جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور حکمران اسلام سے "صلح کن" قسم کا معاملہ کرتے ہیں وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ کی ضرورت ہے اور اس لئے فضا کو سازگار بنانے کی حاجت ہے جو اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کے نتیجہ میں جو اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور برکت وسعادت حاصل ہوگی اسے سمجھانے کی ضرورت ہے نیز ان ممالک میں کوشش ہونی چاہیے کہ یہ مرکزی قیادت ہو جس کی بنیاد اسلام کے نظام شوریٰ پر ہو اور خیر ونفع کے کاموں میں باہمی تعاون جس کی اساس ہو اور کم از کم اپنی کوتاہی کا احساس ضرور ہو کہ مسلمان امامت عامہ یا خلافت اسلامیہ جس کو قائم کرنا مسلمان کا فرض تھا اور جس کے نہ قائم کرنے کی ان سے پرسش ہوگی۔

۱۰۔ وہ ممالک جو غیر اسلامی ہیں وہاں اسلام کی دعوت اور اس کا تعارف حکمت وبصیرت کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے اور وہ نہج اختیار کرنا چاہیے جس میں اسلامی تعلیمات کی روح جلوہ گر ہو۔ زمانہ کے انداز کو جلوہ گر نہ کیا گیا ہو۔

رہے وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اس بات کی فکر رکھنی ہے کہ اسلام کی صحیح نمائندگی ہو۔ اسلامی زندگی ایسی ہو جو دوسروں کو متوجہ کرے اور جس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوں۔ اخلاقی اور روحانی قدروں کی قیادت مسلمانوں کو سنبھالنا چاہیے۔ اور ملک کو گراوٹ اور تباہی سے بچانے کی ذمہ داری قبول کرنا چاہیے۔ اسلام صرف اس صورت میں اپنی ضرورت اور اہلیت ثابت اور مسلمان اپنی دعوتی مہم اور قائدانہ کردار ان ملکوں میں ادا کر سکتے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ اسلام کی فطرت اس کی تابناک تاریخ فطرت سلیم کا تقاضا۔ اور بنی نوع انسان کو طبعی خصوصیت کا یہ مطالبہ ہے کہ ایک دعوتی، ایمانی حرکت مسلمانوں میں ضرور قائم رہے جو ایجابی انداز کی ہو اور مضبوط

بنیادوں پہ قائم ہو۔ داعیوں میں مردانہ صفات ہوں، بلند حوصلگی ہو ان کی نگاہیں بلند اور حقیقت رس ہوں۔ اور وہ دنیا کی عظیم طاقتوں سے آنکھیں ملا سکیں۔ وہ طاقتیں جو بزعم خود مسلم و غیر مسلم قوموں اور ملکوں کی تقدیر بنانے والی اور ان کے مسائل کا فیصلہ کرنے والی بن گئی ہیں۔ لیکن یہ بات کہ داعی الی اللہ ان صفات کا حامل ہو یا ان کے اندر یہ صفتیں پیدا ہو جائیں اس وقت ممکن ہے جب کہ وہ پورے یقین اور اطمینان قلب کے ساتھ ایک طاقتور دعوتی تحریک میں شریک ہوں۔ اور ان کے اندر اسلام کی برتری کا عقیدہ ہو۔ اور اس بات پر ان کو یقین ہو کہ انسانیت اس دین کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔

دعوت اسلام کی سرگرمی میں قربانی کا جذبہ، سرفروشی کی دھن، کوہ کنی کی ہمت، تکلفات سے بری زندگی گذارنے کی عادت اور اگر ضروری ہو تو خطرات میں کودنے کی جرأت بھی مطلوب ہے۔ کیونکہ فطرت انسانی یہ ہے کہ وہ اسی ایمان کی عزت کرتی ہے جس میں قوت ہو۔ اسی افراد کے احترام پر مجبور ہوتی ہے جس کے اپنے اصول عقائد پر اعتماد ہو اور ان کو قابل فخر سمجھتا ہو جس کے یہاں لذت اندوزی اور مال و جاہ کی بے وقعتی ہو اور جس کے اندر اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کی ہمت ہو انسانی فطرت ہمیشہ اس کے سامنے جھکتی ہے جو شئے نایاب اور اس کی دسترس میں نہ ہو۔ کمزور انسان قوی انسان کے احترام پر فطرۃً مجبور رہے۔ غریب آدمی امیر کی عزت کرتا ہے۔ ناخواندہ پڑھے لکھے آدمیوں پر رشک کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک فروتر انسان بالاتر انسان کی عزت اپنے دل میں رکھتا ہے۔ اسلامی تاریخ جانبازی کے کارناموں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے واقعات سے پر ہے۔ وہ اصحاب علم و بصیرت جو اقوام و ملل کی تاریخ سے واقف ہیں اور وہ لوگ جن کے ضمیر زندہ ہیں وہ مشرقی و مغربی قیادتوں سے اکتا چکے ہیں اور ان کے اندر ان سے نفرت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

ایک خلا کا پایا جانا، یعنی ایسی تحریک ایمانی اور دعوت دینی کا نہ پایا جانا جو اپنی جگہ پر قوی بھی ہو اور ایک ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہوں اور مادی تمدن کی پیدا کردہ خرابیوں سے پاک ہو اور جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی قدروں کی محافظ ہو ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا اور دعوتی خلا اسلامی وجود کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ صحیح عقائد اور اسلامی زندگی کے لئے خطرہ ہے کیونکہ کسی ضروری چیز میں جو بشریت کے لئے نفع بخش اور ضروری ہو خلا کا زیادہ مدت تک باقی رہنا غیر طبعی امر ہے ایسے خلا کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی دوسری تحریک سامنے آئے گی جو بے راہ روی کی دعوت دے گی۔ وہ عقائد کے لحاظ سے فاسد و گمراہ، سلبی و تخریبی مقاصد کی حامل ہو گی جن لوگوں نے مذاہب، تحریکات اور مختلف قسم کی دعوتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی صحیح اور طاقتور اسلامی تحریکات سامنے نہیں ہوتی تو ایک غلط قسم کی تحریک نے کسی درجہ میں خطرات کا مقابلہ کیا اور کچھ قربانیاں دکھا دیں۔ اور مادی مظاہر سے اپنے آپ کو ذرا بلند دکھا دیا اور مسلم ممالک میں اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے جو فساد ہے اس کی نشاندہی کر دی اور بڑی طاقتوں کو ذرا للکار دیا۔ نعرہ بازیوں سے فضا کو اپنے حق میں استوار کر لیا

اور پروپیگنڈوں سے اپنے تھوڑے کام کو پہاڑ بنا کر پیش کر دیا تو بھر کیا ہے لوگوں پر اس کا سحر چل جاتا ہے اور سب اندھا
دھنداس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ یا نیم تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی دھوم مچ جاتی ہے اور
وہ لوگ جو بعض ممالک کی بے راہ روی جمود و احیاپسندی اور بے عملی سے نالاں ہیں۔ ان پر اس طرح کی تحریکوں کا
ایسا جادو چل جاتا ہے جس کو نہ کسی واعظ کا واعظ کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی ضمیر و قلم کا قلم۔ اور نہ کوئی منطقی استدلال
کام دیتا ہے اور نہ کوئی علمی جائزہ اور تحقیق۔

پہلی صدی ہجری میں خوارج کی تاریخ۔ چھٹی اور ساتویں ہجری میں باطنیوں اور فدائیوں کی تحریک کی تاریخ
حسن بن صباح کے افسانے اور جو اس کے مرکز عمل "قلعہ الموت" میں ہوا کرتا ہے۔ اور بہتری فوج اور انقلابی تحریکوں
کی تاریخ جو اسلام کے نام پر بگڑی ہوئی صورت حال کو از سر نو الٹ کر دعویٰ کرتی رہی ہے۔ اور محض جھوٹ اور مکرو
فریب کا لبادہ اوڑھ کر پبلک کے سامنے آئیں اسی طرح بعض معاصر انقلابی و عسکری تحریکیں جنہوں نے اپنے ذاتی و سیاسی
مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہزاروں نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ جو ہر قربانی کے لئے تیار نظر آتے تھے یہاں تک کہ امن
پسند حلقے اور باشعور جماعتیں بھی اس زد میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں اور قرآنی نصوص اور اسلامی عقائد کی روشنی میں
کسی کو جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ اور نہ انہوں نے اسلام کی طرف نسبت کرنے والے فرقوں کا
علمی و تنقیدی مطالعہ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا احتساب کرنے کی ضرورت سمجھی۔

میں اپنا یہ مختصر مقالہ ایک قرآنی آیت پر ختم کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی مختصر جماعت کو
مخاطب فرمایا ہے۔ اور ان میں رشتہ مواخات کے قیام سے ساری دنیا اور انسانیت کے مقدر کو مربوط کیا ہے۔

"اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔"

مؤتمر المصنفین کی عظیم تاریخی پیشکش
امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست
تصنیف: مولانا عبدالقیوم حقانی
سیاست کا اسلامی مفہوم اور تشریح، امام ابو حنیفہؒ کا سیاسی مسلک و کردار، سیاسی تجربے اور کارنامے، ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک اور مضبوط سیاسی جماعت کی ضرورت، تشکیل اور نصب العین، فقہ حنفی کی قانونی جامعیت، سیاست میں شرافت کا اصول، جبر و ظلم کے مقابلے میں استقامت و پامردی، موجودہ دور میں سیاسی عمل کے رہنما اصول اور دیگر کئی ایک اہم موضوعات پر سیر حاصل بحث
قیمت ۶ روپے
مؤتمر المصنفین، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، پشاور